الاخوان المسلمون کا جُرم

(مولانا مسعود عالم ندوی)

[۱۳ ارجنوری ۱۹۵۴ء کو الاخوان المسلمون (مصر) خلاف قانون قرار دے دی گئی ۱۴ ار کو ہمیں خبر ملی۔ اس وقت سے آج تک احباب کا اصرار رہا کہ میں کچھ اس پر لکھوں، لیکن معلومات کی کمی دل کھول کر لکھنے کی اجازت نہ دیتی تھی۔ گو یہ اعلان غیر متوقع نہ تھا اور حالات کے بارے میں جو اطلاعات اخبارات اور ڈاک سے مل رہی تھیں ان سے فوجی کونسل اور خاص کر جمال عبدالناصر کی نیتوں کے متعلق بدگمانیاں ہی بدگمانیاں پیدا ہو رہی تھیں، تا آنکہ اس اعلان سے ان کی تصدیق ہو گئی۔

یہ پورا عرصہ حیص بیص میں گذرا۔ خیال یہ رہا کہ کچھ تسلی بخش معلومات ہوں تو لکھوں۔ حسن اتفاق کہ پرسوں ۲۲ر فروری کو عربی ڈاک سے کچھ ایسا مواد ملا جس نے معلومات کی کمی کے عذر کو بہت کمزور کر دیا۔ اللہ کا نام لے کر لکھنے بیٹھ گیا۔

یہ سطریں ۲۵ر کی صبح کو لکھی جا رہی ہیں۔ حالات کے بدلتے دیر نہیں لگتی، بہت ممکن ہے کہ اس مضمون کے چھپتے چھپتے کوئی اور تبدیلی رونما ہو جائے لیکن اس مضمون کی اہمیت شاید ہی کسی واقعہ سے متاثر ہو۔ یہ بات میں خاص طور پر اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ فوجی قیادت الاخوان میں پھوٹ ڈال کر مرشد اور ان کے چند خاص رفیقوں کو تنگ کرنا چاہتی ہے لیکن انشاء اللہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو گی۔ اور اگر کسی اخوانی نے فوجی حکومت کے ساتھ تعاون کر کے اپنی تنظیم کو صدمہ پہنچانے کی کوشش کی تو وہ بھی کامیاب نہ ہو سکے گا۔ حالات یہی بتلاتے ہیں اور اپنا حقیر مطالعہ اس کی تائید کرتا ہے۔ م ۔ ع]

پس منظر مصر کی مشہور دینی جماعت الاخوان المسلمون سے کون واقف نہیں۔ اس کا تعارف

کرانا آفتاب کو شمع دکھانا ہے۔ یہ جماعت جو ۱۹۲۸ء میں قائم ہوئی، اپنے داعی کے اخلاص و جذبۂ عمل اور اپنے نصب العین کی ہمہ گیری کی وجہ سے دیکھتے دیکھتے ایک عالمگیر تحریک بن گئی اور پورے عربستان میں اس کے اخلاقی و اجتماعی اثرات نمودار ہونے لگے۔ انگریزوں نے ابتداہی میں بھانپ لیا تھا کہ یہ ہمہ گیر اور ہر جہتی پروگرام رکھنے والی دعوت ان کی تمناؤں اور آرزوؤں کے لیے پیغام قضا ثابت ہوگی۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران میں بار بار اس جماعت پر پابندیاں عائد کی گئیں۔ علی ماہر اور مصطفیٰ نحاس کی وزارتوں نے دورخی پالیسی سے کام لیا۔ سرکارِ برطانیہ بھی خوش رہے اور اخوان کے ماننے والے بھی آزردہ نہ ہوں۔ دعوت کے قائد اور رہنما حسن البناء مرحوم کی دوربینی اور مصلحت شناسی بھی طرح دیتی رہی۔ انہوں نے ان تمام رکاوٹوں کے باوجود پورے سکون کے ساتھ اپنا کام جاری رکھا۔

لڑائی کے ختم ہوتے ہی مصر اور عربستان میں نئے نئے ملکی اور سیاسی مسئلے پیدا ہونا شروع ہوئے۔ الاخوان المسلمون نے بھی ایک زندہ اور فعّال جماعت کی حیثیت سے ان میں حصہ لینا شروع کیا اور اپنی بے لاگ اور بے لچک دعوت کے بل پر قوم و ملک کے سامنے صحیح اور واضح پروگرام پیش کیے۔ یہ اخوان ہی کی سعیٔ عمل کا کرشمہ تھا کہ مصر کی قوم پرست سرزمین میں بیس سال[1] کے بعد پھر ایک جاندار اسلامی روزنامہ جاری ہوا۔ روزنامہ الاخوان المسلمون کی پرزور تنقید اور آئے دن کی "اسرار کشائی" سے برطانوی اور فرنچ سفارت خانے تنگ آگئے۔ دوسری طرف وزیراعظم مصر محمود فہمی نقراشی فلسطین کی جنگ سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔ الاخوان المسلمون کے نوجوان فلسطین کی مہم میں بھی پیش پیش تھے، جس سے نقراشی کے اوسان اور بھی خطا ہو رہے تھے۔ فاروق الگ ان "نئے ملاؤں" کے بڑھتے ہوئے اثرات سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ چند غیر ملکی سفارت خانوں نے فاید (برطانوی فوج کا مصری مستقر) میں کانفرنس کی اور بالاتفاق نقراشی سے "الاخوان" کے خلاف قانون قرار دیئے جانے کا مطالبہ کیا۔ نقراشی پریشان تھا ہی، اپنے آقاؤں کی خوشنودیٔ مزاج کی خاطر اس نے "الاخوان" کو خلافِ قانون قرار دے دیا (دسمبر ۱۹۴۸ء)

یہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی حماقت تھی۔ پھر تو وہ افراتفری ہوئی کہ توبہ ہی بھلی! پورے مصر میں تشدّد کا بازار گرم ہوگیا، اور ہزار ہا ہزار لکھے پڑھے نوجوان جیلوں میں بند کر دیئے گئے۔ اور ان پر اس طرح

[1] پہلی جنگِ عظیم کے زمانے میں اور اس سے پہلے حزب وطنی کے اخبار اللواء اور المؤید اسلامی مطالبات رکھتے تھے۔

مظالم کے پہاڑ توڑے گئے کہ سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہاں ان کی تفصیل کا موقع نہیں۔ خود نقراشی بھی ایک نوجوان کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس کے بعد ابراہیم عبدالہادی وزارت عظمیٰ کی گدی پر بیٹھا اور دین کے علمبرداروں کے ساتھ اس نے وہ سب کچھ کیا جو شاید ایک غیر مسلم بھی مشکل سے کر سکتا۔

الاخوان المسلمون خلاف قانون قرار پائی، مگر تحریک کے قائد حسن البناء مرحوم گرفتار نہیں کیے گئے۔ ان کے لیے ظالموں نے کچھ اور سوچ رکھا تھا اور ایک جانے بوجھے منصوبہ کے مطابق لاکھوں مسلمانوں کے محبوب اور صداقت و حقانیت کے اس پیکر کو قاہرہ کی ایک شاہراہ پر انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا (۱۲ فروری ۱۹۴۹ء) ــــ اسلام اور اسلامی تحریک کے خلاف سازش کی یہ آخری حد تھی۔

پھر حالات نے پلٹا کھایا۔ ابراہیم عبدالہادی (جس کی وزارت میں یہ خونی ڈرامہ کھیلا گیا) گدی سے اترنے پر مجبور کیا گیا۔ اور اخوان کو آزادی نصیب ہوئی۔ مگر پابندیاں قائم رہیں۔ برسرِ اقتدار وفد پارٹی کے وزیر داخلہ فواد سراج الدین نے لاکھ چاہا کہ اخوان سیاسیات سے کنارہ کشی کا وعدہ کریں، مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جو جماعت پورے دین کو لے کر اٹھی تھی، وہ سیاسیات سے کس طرح کنارہ کش ہو سکتی تھی؟ وفدی حکومت نے پارلیمنٹ سے قانون بھی پاس کرا دیا (۱۹۵۰ء) مگر اخوان نے اسے تسلیم کرنے سے قطعاً انکار کیا، اور وہ اپنی سرگرمیوں میں مشغول رہے۔ آخر کار وفدی حکومت انہیں ایک قانونی پارٹی تسلیم کرنے پر مجبور ہوئی۔ اس دوران میں الاخوان المسلمون کی جماعت اپنے نئے "مرشد" حسن بن اسماعیل الہضیبی کی قیادت میں اپنے مختلف شعبوں کی جدید تنظیم اور استحکام میں لگی رہی۔

جولائی ۱۹۵۲ء میں مصر کی سرزمین نے ایک اور انقلاب دیکھا۔ شاہ مصر فاروق سے قدرت نے انتقام لیا اور آن کی آن میں اس کا فرعونی جاہ و حشم داستانِ پاستاں بن گیا۔ فوجی افسر جو فلسطین کی

(بقیہ حاشیہ ص۵۶) کی تائید کرتے تھے۔ ۱۹۱۹ء اور اس کے بعد وفد پارٹی کو عروج ہوا تو اسلامی آواز بالکل دب گئی۔ صرف ابن رافعی کا الاخبار رہ گیا تھا۔ سو وہ بھی اپنے مجاہد ایڈیٹر کی موت کے ساتھ (۱۹۲۶ء) ابدی نیند سو گیا۔ اس کے بعد تقریباً بیس برس تک مصری صحافت "[illegible]" "عریانیت" "اباحیت" کا علمبردار رہا۔ ایک محب الدین خطیب کا ہفتہ وار "الفتح" تنہا کیا کرتا۔

شکست اور علی عبد القادر طہٰ (ایک فوجی افسر جسے فاروق کے اشاروں سے قتل کرا دیا گیا تھا) کی موت کے بعد ہی سے پر تول رہے تھے تین دنوں کے اندر (۲۳ــ۲۶ جولائی) محیر العقول طریقوں سے حکومت کا تختہ الٹنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس موقع پر اخوان نے انقلابیوں کی پوری مدد کی۔ انقلاب کے قائد اور اصلی کارکن اگرچہ نوجوان فوجی افسر تھے، لیکن ان کی کامیابی کا راز اس عام نفرت و بغض میں تلاش کرنا چاہیے جو مصریوں کے دلوں میں فاروق اور اس کے مصاحبوں کی طرف سے پیدا ہو گئی تھی۔ الاخوان المسلمون مصر کی پہلی جماعت ہے جس نے فاروق کی قصیدہ خوانی نہیں کی۔ شاہ پرستی مصر میں کس حد تک عام تھی؟ اور اس نوخیز عیاش بادشاہ کی تعریف و توصیف میں کیسے کیسے "حُر" اور "آزادی پسند" قصیدے پڑھا کرتے تھے، اُس کا اندازہ ہمارے ملک کا عام تعلیم یافتہ طبقہ کر ہی نہیں سکتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ شاہ پرستی کے حمام میں نحاس جیسے "حُر" اور طٰہٰ حسین جیسے آزاد خیال زندیق، اور محمد حامد فقی جیسے سنّت کے علمبردار سب کے سب ننگے نظر آتے تھے۔ ایک حسن البناء کی ذاتِ گرامی تھی جو اس گندگی سے اپنا دامن بچا کر نکل گئی۔ اور ہمارے علم میں اس آخری دَور میں الدعوۃ (جس کے ایڈیٹر اور مالک اخوان کے پرانے کارکن صالح عشماوی ہیں) کے سوا کوئی اخبار نہیں تھا جس نے فاروق کی قصیدہ خوانی نہ کی ہو ـــــ بات کہیں سے کہیں جا رہی ہے۔ کہنا یہ ہے کہ گو فوجی افسروں ہی نے انقلاب برپا کیا، مگر زمین اخوان کی دعوت ہی نے تیار کی تھی۔ اور انقلاب کے خطرناک دنوں میں بھی اخوان نے امن و امان قائم رکھنے میں فوج کی پوری پوری مدد کی، جس کا انقلابیوں نے بارہا برملا اعتراف کیا۔

اختلافات انقلاب کے بعد بھی عرصۂ دراز تک الاخوان اور انقلابی کونسل میں خاصا تعاون رہا، بلکہ اخوان کا ایک گروہ تو ان کی تائید میں اتنا آگے تھا کہ اخوان کے بہت سے خیر اندیشوں کو ان کی یہ روش بُری طرح کھٹکتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ حسن الہضیبی اور دوسرے تیز رو نوجوانوں کے درمیان اس مسئلے پر کچھ اختلاف بھی ہوا۔ لیکن یہ چیز بہت محدود دائرے میں رہی۔

اختلاف کا پہلا موقع انقلابی وزارت کی تشکیل کے وقت پیش آیا، جب کہ انقلابی کونسل کی

پیش کش اخوان کے لیے ناقابلِ قبول نہ ہوئی اور مکتب الارشاد (مجلس شوریٰ) کے ایک ممتاز رکن احمد حسن باقوری نے جماعت کے فیصلہ کے خلاف وزارت قبول کر لی۔ اس کو بھی اخوان والے پی گئے اور باقوری کے خلاف کوئی ملامت کی تجویز بھی نہیں پاس کی، بلکہ اخباروں میں صرف باقوری صاحب کے استعفیٰ ہی کی خبر شائع ہوئی۔ الدعوۃ باقوری کی تصویر بھی چھاپتا رہا جسے باہر اخوان کے متعارف حلقوں نے شاید کبھی پسند نہ کیا ہوگا۔ باقوری صاحب کے متعلق مزید معروضات آگے آتی ہیں۔

اختلاف کا دوسرا موقع اس وقت پیش آیا جب انقلابی کونسل نے تمام سیاسی پارٹیوں کے ختم کر دینے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت بھی حسن الہضیبی صاحب کی تجربہ کاری اور دور بینی کام آئی۔ ضرورت سے زیادہ پرجوش اخوانی فوج کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کرنے پر آمادہ تھے، مگر مرشد نے اپنا تشخص الگ قائم رکھنا ضروری سمجھا، خواہ اس کے نتیجے میں چھوٹی موٹی سیاسی دلچسپیوں سے کنارہ کش ہونا پڑے۔ اخوان نے حکومت کو اس سلسلے میں جو یادداشت دی تھی، اس میں صاف صاف کہا گیا تھا:

"الاخوان المسلمون ایک ہمہ گیر دینی تشکیل (ہیئت) کا نام ہے۔ 'سیاست' بھی اس کے دائرۂ عمل کا ایک حصہ ہے۔ سیاسی پارٹیوں کی سطح پر ہم سے معاملہ نہیں کیا جا سکتا نیز الاخوان المسلمون ایک دینی 'ہیئت' (جامع تشکیل) ہے، عام مذہبی انجمنوں کا برتاؤ بھی اس سے نہیں ہو سکتا ہم 'سیاست' میں اس لیے دخل دیتے ہیں کہ یہ بھی 'دین' کا ایک جزو ہے۔" (اصل متن اس وقت موجود نہیں، البتہ مفہوم یہی تھا۔ اس کا پورا اطمینان ہے۔)

ہم نے اُس وقت بھی تسنیم میں حسن الہضیبی صاحب کے موقف کی صحت کا اظہار کیا تھا، تجربہ نے اس کی تصدیق کر دی۔ اور لطیفہ یہ ہے کہ اُس وقت تو انقلابی کونسل چُپ ہو گئی تھی اور آج سال ڈیڑھ سال کے بعد "انقلابی جنتا" نے اسی نام نہاد "حیلے" سے کام لے کر الاخوان کو خلاف قانون قرار دیا ہے۔ میں اسے حیلہ ہی کہتا ہوں۔ آخر آج کونسی نئی بات پیش آ گئی ہے جس سے الاخوان کو عام ملکی سیاسی پارٹیوں کی سطح پر لانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

اختلاف کے یہی دو مواقع ہمارے سامنے آئے تھے، ورنہ "انقلابی جنتا" اور اس کے عقلِ کل

بکباشی (لفٹننٹ کرنل) جمال عبدالناصر کے دماغ میں فرعونیت کا جو مادہ پک رہا تھا اور پک رہا ہے، اس نے بیسیوں اختلافی مسائل نکال لیے اور آج ان سب کو ایک مفصل چارج شیٹ کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس صورت میں کہ فریقِ ثانی جیلوں میں بند ہے اور مصری صحافت کے سر پر سنسر شپ کی بے رحم تلوار لٹک رہی ہے۔ ہم سنتے تھے کہ فوجی بہادر اور شیر دل ہوتے ہیں، مگر یہ کہاں کی بہادری ہے کہ ملک و ملت کے بہترین افراد کو کال کوٹھریوں میں بند کر کے اُن کے خلاف بہتان طرازی کی مہم چلائی جائے اور کسی کو آہ کرنے کی بھی اجازت نہ ہو۔ عام ناظرین کو یہ معلوم کر کے حیرت ہو گی کہ الاخوان کو خلافِ قانون قرار دیئے جانے کی خبر مِن وعَن کسی مصری اخبار میں شائع نہ ہو سکی، اور جب شائع ہوئی تو انہی جھوٹی اور اشتعال انگیز سرخیوں کے ساتھ جو سنسر نے اخباروں کو املاء (DICTATE) کرائیں حدیہ کہ الدعوۃ (جو برابر نکل رہا ہے) میں اب تک (۱۶ فروری کا شمارہ نظر سے گذر چکا ہے) یہ خبر شائع نہیں ہوئی —— گویا وہ مصر سے نہیں، بلکہ مریخ اور مشتری کی خیالی دنیا سے شائع ہوتا ہے۔ غالباً صالح عشماوی کا ایمانی جذبہ جھوٹی اور اشتعال انگیز سرخیوں کے ساتھ یہ خبر شائع کرنے پر راضی نہ ہو سکا! شاید اُن کے ہزاروں جاننے والے اُن سے یہی توقع کرتے ہوں گے۔

ہم نے ابھی کہا ہے کہ جمال عبدالناصر نائب رئیس جمہوریہ مصر نے الاخوان المسلمون کو خلافِ قانون قرار دینے کے بعد ایک لمبی "فردِ قرار دادِ جرم" شائع کی اور کرائی ہے، جس میں انتہائی لغو، مہمل اور بے بنیاد باتیں کہی گئی ہیں۔ مناسب ہو گا کہ ایک بے لاگ نگاہ سے اس فردِ قرار دادِ جرم کا جائزہ لے لیا جائے۔

فردِ قرار دادِ جرم (۱) سب سے پہلے جمال عبدالناصر (کہ وہی اس چارج شیٹ کا مصنف ہے) نے دُون کی لی ہے اور "انقلاب" کی شاندار خدمات گنائی ہیں۔ جہاں تک فاروق کے خاتمہ کا تعلق ہے، ہم اس کی خدمات کے منکر نہیں، خود الاخوان المسلمون انقلاب لانے والوں کی پکیسر ممنون تھی لیکن راقم الحروف کا ماتھا اسی وقت ٹھنکا تھا جب "انقلابی جنتا" کے رویے میں تبدیلی پیدا ہونی شروع ہوئی۔ اور اب تو اس کا عیب و ہنر سب سامنے آ چکا ہے۔ اب تک انقلابی جنتا کے متعدد تاسیسی ممبر —— رشاد مہنا، یوسف صدیق، عبدالمنعم امین، احمد شوقی وغیرہم —— الگ کیے جا چکے ہیں۔ یہ بچارے جیلوں میں ہیں، یا کسی

گوشۂ عافیت میں بیٹھے ہوئے اپنی قسمت کو رو رہے ہیں۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ جنرل نجیب بھی عالم بے دخل کیے جا چکے ہیں۔ بہرحال اتنا تو واقعہ ہے کہ ان دنوں ہر جگہ جمال عبدالناصر ہی کا نام آتا ہے۔ کبھی صلاح سالم اور عبداللطیف بغدادی بھی اسٹیج پر آ جاتے ہیں۔ جنرل نجیب تقریباً گم نام یا روپوش ہو چکے ہیں۔ (یہ سطور نجیب صاحب کے استعفا کے واقعہ سے قبل کی قلمبند شدہ ہیں۔ ن۔ص)

(۲) دوسری چیز جس پر جمال عبدالناصر پھولے نہیں سماتے، وہ "قومی وحدت" ہے۔ مگر عملاً یہ "قومی وحدت" کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ کہیں مریخ اور زہرہ کی دنیا میں ہو، تو ہو، مصر کی وحدت تو فوجیوں کی حماقت نے پارہ پارہ کر دی۔ جو حکومت ملک کی نوے فیصد آبادی کے دین و مذہب کو چیلنج کرنے کیا وہ قومی وحدت کی علمبردار کہی جا سکتی ہے؟ سعد زغلول اور وفدیوں نے "الدین للہ والوطن للجمیع" کا نعرہ لگایا تھا۔ فوجی انقلابیوں نے شروع شروع تو صرف "ایمان باللہ" پر زور دیا۔ رسالت پر ایمان ان کے پروگرام سے خارج رہا۔ اب انہوں نے اخوان کے مقابلے میں ایک نیا مشرکانہ نعرہ ایجاد کر لیا ہے جو وفدیوں کے نعرہ سے بھی بدتر ہے۔ سعد زغلول نے مغالطہ سے کام لینا چاہا تھا، فوجیوں نے یہ پردہ بھی اٹھا دیا۔ اخوان کا نعرہ "اللہ اکبر وللہ الحمد" ہے۔ جمال عبدالناصر نے "اللہ اکبر والعزۃ لمصر" کی آواز اٹھائی ہے۔

(۳) فرد جرم میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ الاخوان نے انقلاب کے ساتھ تعاون نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ سفید جھوٹ کا تصور مشکل ہے۔ یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ الاخوان ہی نے سب سے پہلے شاہی اقتدار کے خلاف آواز بلند کی اور اسی وجہ سے ان کے محبوب مرشد کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ یہ بھی واقعہ ہے جسے جمال عبدالناصر سے زیادہ بہتر کوئی نہیں جانتا کہ یہ اخوان ہی تھے جن کی دعوت و تبلیغ سے فوج میں حرکت پیدا ہوئی۔ خود جمال عبدالناصر ان کی دعوت سے متاثر ہوا۔ یہی نہیں بلکہ جمال عبدالناصر اور انقلابی جنتا کے کئی رکن باضابطہ اخوان کی تنظیم میں شامل ہوئے اور اخوان کی پالیسی پر کاربند ہونے کا حلفیہ عہد و پیمان کیا۔ انقلابی کونسل کے ایک رکن بکباشی انور السادات نے فوجی تحریک کی تاریخ میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ جمال عبدالناصر کی اپنی ڈائری میں بھی رجوع صلح سلام

کے قلم سے مرتب ہوئی ہے) اس کا اقرار موجود ہے۔ یہ سب مانتے ہیں کہ اخوان کے فوجی شعبہ کے انچارج صالح ابو رقیق اور عبدالقادر عودہ اور اس کے لیے خفیہ جماعتیں بنائیں۔ اس سلسلے میں کہنے کی باتیں اور بھی ہیں، لیکن اجمال کا تقاضا ہے کہ ان کو نظر انداز کیا جائے۔

(۴) یہ بھی الزام ہے کہ انقلاب کے بعد الاخوان نے پورا پورا تعاون نہیں کیا۔ اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ الاخوان نے اپنے آپ کو فوجی تنظیم میں مدغم نہیں کیا تو صحیح ہے۔ کوئی با اصول جماعت اس کے سوا اور کیا کر سکتی ہے۔ رہا یہ اختلاف رائے کہ زیادہ سے زیادہ زمین جو ایک شخص کے قبضے میں دی جائے وہ ۲۰۰ ایکڑ ہو یا ۵۰۰ ایکڑ، تو یہ مسئلہ کوئی اصولی اور ٹھوس مسئلہ نہیں ہے۔ ہضیبی صاحب ملکیت کی تحدید کے مخالف نہیں تھے۔ ان کی رائے اگر ۵۰۰ ایکڑ کے حق میں تھی تو یہ کوئی معصیت نہیں تھی۔ ان سطور سے غلط فہمی نہ ہو۔ ہم محض ہضیبی صاحب کے موقف کو واضح کر رہے ہیں۔ ہماری اپنی رائے ملکیت کی تحدید و تنسیخ کے باب میں ان سے کچھ مختلف ہے، جس کے بیان کا یہ موقع نہیں۔

(۵) اسی طرح یہ الزام کہ وہ اسلامی قانون کے نفاذ و تطبیق کا مطالبہ کرتے تھے، حد درجہ تعجب انگیز اور افسوسناک ہے۔ ہمیں تو جمال عبدالناصر کی ڈھٹائی پر حیرت ہے۔ آخر اخوان المسلمون والے کیا کرتے؟ بے دینی کی تائید کرتے؟ بداخلاقی کو سراہتے؟ رقص و سرود کی تعریف میں مضامین لکھتے؟ ــــ اگر یہ مطلب ہے تو آپ سے بڑا کند ذہن کوئی نہیں۔ ایک جماعت ۲۵ سال سے اسلام کی بے میل اور پاکیزہ دعوت دے رہی ہے۔ "اقامت دین" کا مطالبہ اس کی دعوت کا سنگ بنیاد ہے، آخر اس مطالبہ سے وہ دستکش کس طرح ہو سکتی تھی؟

(۶) فرد جرم میں احمد حسن باقوری وزیر اوقاف کے مسئلے کو بھی چھیڑا گیا ہے۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ باقوری کے باب میں اخوان نے بڑی نرمی برتی۔ ایسی نرمی کسی با اصول جماعت کے مزاج سے میل نہیں رکھتی۔ صالح عشماوی تو انہیں عرصہ تک اچھالتے رہے، حالانکہ باقوری صاحب اس رعایت کے مستحق نہیں تھے۔ اولاً تو انہوں نے جماعت کی وابستگی پر وزارت کو ترجیح دی، یہ خود اپنی جگہ افسوسناک ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ وزارت کے بعد انہوں نے فوجیوں کی اس طرح ہاں میں ہاں ملانا شروع کی کہ

ازہر کی نگاہیں شرم سے جھک گئی ہونگی۔ باقوری صاحب ازہر کے باضابطہ عالم اور اخوان کی مجلس شوریٰ (مکتب ارشاد) کے رکن تھے۔ ایک روایت کے مطابق وہ مرشد کے منصب کے بھی "امیدوار" تھے۔ ان سب کے بعد ان کا یہ بیان کہ "اسلامی حکومت مسلمانوں کے لیے ضروری نہیں۔ اور قرآن مجید میں جہاں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والوں کو کافر، ظالم اور فاسق (ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون ۔۔۔ الظالمون ۔۔۔ الفاسقون۔ المائدہ: آیات ۴۴، ۴۵، ۴۷) کہا گیا ہے اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ مسلمانوں کے حق میں وہ آیتیں نازل ہی نہیں ہوئیں" پڑھ کر فرمایئے کہ "الاخوان" کو نہیں، دنیا کے کسی بھی مسلمان کو ان باقوری صاحب کے متعلق کیا رائے رکھنی چاہیے اور ان سے کیسا معاملہ کرنا چاہیے۔

رہی یہ بات کہ خود الاخوان نے وزارت کی پیش کش کیوں قبول نہ کی؟ تو اس کا جواب ظاہر ہے کوئی خوددار آدمی ایسی حکومت میں شریک ہو کر کیا کرے گا، جہاں فوجیوں کے ہاتھ میں سارا نظم ونسق ہو اور بے آئینی ہی کا نام آئین وقانون رکھ لیا گیا ہو۔ سلیمان حافظ، اسماعیل خباثی اور فواد جلال آخر کیوں مستعفی ہونے پر مجبور ہوئے؟

(۷) انہیں یہ بھی شکایت ہے کہ حسن الہضیبی انقلابی حکومت کے احکام کو چیلنج کیا کرتے تھے، حالانکہ یہ واقعہ نہیں ہے۔ واقعہ صرف اتنا ہے کہ ہضیبی صاحب شروع سے اپنی جماعت کو حکومت میں مدغم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اور اس سے بعض پُرجوش ارکان کو اختلاف بھی ہُوا لیکن وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ اُن کا مقولہ تھا:۔

> "ہم حکومت کے بے لوث خیر خواہ ہیں۔ ارباب اقتدار اچھا کام کریں گے تو ہماری تائید ہوگی اور ان سے غلطیاں ہونگی تو ہم اس پر ٹوکیں گے۔"

ظاہر ہے کہ "آمریت" نصح ونصیحت کو کب برداشت کر سکتی ہے؟ ــــ اور یہ جرم ہے تو کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اخوان اس کے مجرم تھے۔ آمریت اگر "ثواب" کا نام گناہ رکھ دے تو کوئی ان کا کیا کر لیگا؟ ان کے سامنے ہمارے ہاں کی ضرب المثل "سکھا شاہی" بھی مات ہے۔

(۸) ایک اہم الزام یہ ہے کہ الاخوان نے ان کی بنائی ہوئی سیاسی پارٹی ھیئۃ التحریر (LIBERATION RALLY) کا ساتھ نہیں دیا۔ تو یہ واقعہ ہے کہ ہضیبی صاحب نے آغاز ہی میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ الگ پارٹی نہ بنائیں "انقلاب" پورے ملک اور پوری قوم کی آواز ہے۔ اسے پارٹی کا مسلک نہ بنائیں۔ مگر وہ نہ مانے۔ اس پر مرشد نے کہا "بہتر! آپ پارٹی بنایئے، ہم الگ رہیں گے اور مخالفت بھی نہیں کریں گے" لیکن آمریت اتنے پر کس طرح مطمئن ہو سکتی تھی؟ ان کی خواہش تھی کہ مرشد، الاخوان کو اس میں شرکت کا حکم دیں۔ یہ وہ کس طرح کر سکتے تھے! ایک خالص دینی جماعت، غیر دینی سیاسی پارٹی میں کس طرح شرکت کر سکتی تھی؟ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ عام ملکی مسائل اور استعمار کی مخالفت میں بھی وہ تعاون نہیں کرتے تھے۔ وہ ان سب امور میں پیش پیش تھے۔ صرف جرم یہ تھا کہ ان کی اپنی الگ تنظیم تھی اور وہ اپنے مرشد کے احکام کے تابع تھے۔

(۹) سب سے دلچسپ الزام انگریزوں سے سازباز کا ہے۔ اس پر خود انگریز بھی انگشت بدندان ہیں۔ "ٹائمز لندن کے خصوصی نامہ نگار کا تأثر یہ ہے کہ مصر میں جسے بدنام کرنا ہو، اسے انگریزوں کا ایجنٹ کہہ دو، کام بن جائے گا۔ فوجی حکام اخوان کی تنظیم اور بڑھتی ہوئی طاقت سے پریشان تھے اور کیا الزام عائد کرتے، انگریزوں ہی سے سازباز کا بہتان باندھ دیا۔ اس بہتان کی تفصیلات میں طرح طرح کے جھوٹ شامل ہیں۔ ایک بہتان صریح یہ ہے کہ حسن عشماوی نے کرسول (CRESWEL) سے ان کی جائے اقامت پر دیر تک بات چیت کی، حالانکہ اس شام کو حسن عشماوی، الاخوان کے مزدوروں کے شعبے میں لکچر دے رہے تھے۔ مسٹر کرسول کا اپنا بیان یہ ہے کہ انہوں نے اس سے پہلے حسن عشماوی کا نام بھی نہیں سنا تھا (اسٹیٹس مین: ۵۴/۱/۲۶)۔ اس کے علاوہ یہ الزام ہے کہ مسٹر ایونز (EVANZ) برطانوی سفارت خانہ کے عہدہ دار نے مرشد سے ملاقاتیں کیں۔ اس کا مسٹر ایونز اور اخوان دونوں کو اقرار ہے۔ لیکن یہاں اتنا اور سُن لیجیے کہ مسٹر ایونز مرشد کو جانچنے آیا تھا۔ مرشد نے حکومت کے موقف کی پوری تائید کی اور فوراً ہی صانع (میجر) صالح سلام (وزیر الارشاد القومی) کو بلا کر گفتگو کی تفصیلات سنا دیں۔ کیا نفس ملاقات بھی جرم ہے؟ مسٹر ایونز کا کہنا یہ ہے کہ ملک کے مختلف الخیال

افراد سے ملنا اور ان کے افکار کا اندازہ لگانا ہمارے فرائضِ منصبی میں داخل ہے اور یہ کوئی جرم نہیں!

(۱۰) ایک بڑا الزام حکومت کا تختہ الٹنے اور نظم و نسق کی مشینری پر قبضہ کرنے کا ہے۔ یہ بڑا فرسودہ الزام ہے۔ اسی جرم میں کئی فوجی افسروں کو سخت سزائیں دی جا چکی ہیں اور اب ایک پوری جماعت پر یہ بہتان باندھا جا رہا ہے۔ جمال عبدالناصر نے دلیل یہ دی ہے کہ الاخوان کا اثر و نفوذ فوج اور پولیس میں بہت پھیل رہا ہے۔ تو کیا یہ بھی کوئی جرم ہے؟ کیا فوج اور پولیس قوم کے افراد نہیں؟ وہ اگر دین کی صحیح تعلیمات کو سمجھیں اور ان کو اختیار کریں تو اس میں کیا قباحت پیدا ہوتی ہے؟ اور یہ کونسا نیا انکشاف ہے؟ جمال عبدالناصر کو معلوم نہیں کہ وہ اس دینی دعوت سے متاثر تھا۔ اب اگر آج وہ حلفیہ عہد و پیمان اور میثاقِ بیعت کو بالائے طاق رکھ کر اخوان کے درپئے آزار ہو گیا ہے تو اس سے حقیقت تو نہیں بدل جاتی؟ کیا اسلام اور مصر کے مسلمانوں کے حق میں مفید یہ ہوگا کہ فوج میں الحاد اور دہریت اور بدقماری کی وبائیں پھیلیں؟ یا خیر و برکت اس میں ہے کہ اس میں اسلامی نصب العین اور جذبہ و اخلاق کو فروغ حاصل ہو؟ اخوان کے ذریعے اگر فوج میں اسلامی اثرات بڑھ رہے ہیں تو یہ ان کی ایک قابلِ قدر خدمت ہے، نہ کہ جرم! جرم ہو سکتا ہے تو یہ کہ فوج اور پولیس کے افراد کو عملی سیاسیات میں کھینچ لایا جائے، سو یہ جرم اگر کسی نے کیا ہے تو خود انقلاب کے فوجی لیڈروں نے کیا ہے جو سیاسی اقتدار کو اپنے ہاتھوں میں لے کر ساری فوج میں عملی سیاسیات سے دلچسپی پیدا کرنے کا ذریعہ بن گئے ہیں، اور اس کے نتائج وہ بعد میں بھگتیں گے۔ اخوان اس حیثیت سے بری ہیں۔

یہاں تک تو واقعہ ہے، باقی اور حاشیہ آرائیاں جمال عبدالناصر کے دماغ کی پیداوار ہیں۔

(۱۱) آخر میں اس واقعہ کو نمک مرچ لگا کر پیش کیا گیا ہے جو ۱۲ جنوری کو جامعہ قاہرہ کے احاطے میں واقع ہوا۔ اسی کے دوسرے ہی دن الاخوان المسلمون خلافِ قانون قرار دے دی گئی۔ اس لیے اس سلسلے میں طرح طرح کی غلط بیانیاں کی گئی ہیں۔

واقعہ صرف اتنا ہے کہ سال دو سال سے تمام کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اخوانی طلبہ چھائے ہوئے تھے۔ طلبہ کی انجمنوں [illegible] کے انتخابات میں ۔۔ فیصد نمائندے اخوانی طلبہ

ہی میں سے منتخب ہوتے۔ جو نوجوان نہر سویز کے معرکوں میں کام آئے، اُن میں بھی اخوان سے تعلق رکھنے والوں کی بڑی تعداد تھی۔ جمال عبدالناصر نے ہیئتہ التحریر قائم کی تو طلبہ میں بھی کام شروع کیا اور خاص طور پر طلبہ کے شعبہ کا خود نگران بنا۔ ۱۲ جنوری کو اخوانی طلبہ یونیورسٹی کے میدان میں یوم شہداء منا رہے تھے کہ اچانک ایک جیپ آئی جس پر کئی مسلح آدمی سوار تھے، اور وہ طلبہ میں سے یقیناً نہیں تھے۔ آتے ہی انہوں نے "اللہ اکبر اور العزۃ لمصر" کا نعرہ لگانا شروع کیا۔ اخوانی طلبہ نے بہت سمجھایا، مگر وہ نہ ملنے، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر جیپ والوں نے ریوالور سے کام لینا شروع کر دیا۔ مصر گاندھی جی کا دیس تو ہے نہیں، اُدھر سے بھی ترکی بہ ترکی جواب ملا اور جیپ والے ایک طرح سے گھیرے میں آگئے۔

اب یہاں چند امور خاص طور پر قابلِ غور ہیں:-

i۔ جلسہ خاص طلبہ کا تھا۔ فوجی جیپ ہیئتہ التحریر کے فوجی کارکنوں کو لے کر کیوں آئی؟

ii۔ آنے والوں نے فوراً ہی فائرنگ شروع کر دی۔

iii۔ ان کے علاوہ کچھ اور لوگ (ہیئتہ التحریر سے متعلق) بھی لاٹھیاں اور ڈنڈے چھپائے ہوئے تھے۔

iv۔ یونیورسٹی پولیس دروازے پر کھڑی منہ دیکھتی رہی۔

v۔ اخوانیوں کے اصرار کے باوجود حادثہ کے چھ گھنٹہ تک پولیس تحقیق کے لیے نہیں آئی۔

کیا ان قرائن سے نہیں معلوم ہوتا کہ یہ واقعہ خاص سازش کے تحت ظہور میں آیا اور یہ منصوبہ خاص مقصد سے تیار کیا گیا تھا؟

ان کے علاوہ اور بھی چھوٹے چھوٹے الزامات ہیں، جن سے ہم سر دست صرفِ نظر کرتے ہیں۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ الاخوان المسلمون خلافِ قانون کیوں قرار دی گئی؟ اور یہ سازش اور یہ منصوبہ کس لیے؟ میری نگاہ میں اس کی دو بڑی وجہیں ہیں:-

ایک وجہ ـــ اور فوری وجہ ـــ تو یہ ہے کہ انگریزوں سے دب کر صلح کرنے اور امریکہ سے منہ مانگی امداد لینے کی راہ میں الاخوان المسلمون حائل تھی۔ یہ لمبی چوڑی باتیں کرنے والے فوجی سودا انگریزوں اور امریکیوں کے سامنے جس طرح سرِ تسلیم خم کر رہے ہیں اُس کا حال عام لوگوں کو نہیں معلوم لیکن آہستہ

آہستہ معلوم ہو جائے گا۔ درحقیقت "اخوان" پر ساز باز کا الزام رکھنے والے خود ساز باز کے لیے راستہ ہموار کر رہے ہیں۔[1]

دوسری ——— اور اصل وجہ ——— یہ ہے کہ آمریت، اور خصوصاً فوجی آمریت، اپنا حریف نہیں دیکھ سکتی۔ پھر حریف بھی ایسا حریف ہے جو با اصول ہو، منظم ہو اور رائے عام پر اثر انداز ہو سکتا ہو۔[2]

"ٹائمز لندن کے نامہ نگار نے فوج کے عزائم کا خلاصہ جن الفاظ میں دیا ہے ہم اُن پر تحریر کو ختم کرتے ہیں :۔

"ہم دین کے نام پر آئندہ کسی رجعت پسندانہ ٹریجیڈی کا اعادہ نہیں ہونے دیں گے"!

مضمون خاصا لمبا ہو گیا، اور کہنے کی بہت سی باتیں رہ گئیں۔ پھر کسی فرصت میں انشاء اللہ! یار زندہ صحبت باقی۔

---

[1] جیسے جماعت اسلامی پر "امریکی امداد" کا الزام دھرنے والے وہ ہیں جو خود "امریکی امداد" کے لیے بے چین تھے۔

[2] تیسری وجہ ——— اور مستقل وجہ ——— یہ بھی ہے کہ مصر کے انقلابی فوجی افسر مصری معاشرہ کی تعمیر جس غیر اسلامی فرنگی نقشے پر کرنا چاہتے ہیں اور عوام کے ذہن و کردار کو آرٹ اور کلچر کے جس رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں اس میں کسی اسلامی دعوت و تحریک کا وجود رخنہ انداز ہوتا ہے، لہٰذا یہ کانٹا راستے سے ہٹائے بغیر چارہ نہ تھا۔